(16)

اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور اس کا ہمارے ساتھ ہونا یقیناً ہماری صداقت کی دلیل ہے

ہمارا اصل مقصود خدا ہے اگر وہ ہمیں مل گیا ہے تو پھر دنیا کی مخالفت کوئی حقیقت نہیں رکھتی

(فرمودہ 31 مئی 1957ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں ایک یہ بھی الہام ہے کہ

''خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہوگا۔ پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے''۔1

تعجب ہے کہ مبائعین اور غیر مبائعین اس امر پر بحث کرتے رہے ہیں کہ ہم میں سے مسلمان کون ہے۔ حالانکہ جہاں تک مسلمان ہونے کا سوال ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام موجود ہے۔ اگر مبائعین کو غیر مبائعین میں سے کوئی غیر مسلم قرار دیتا ہے یا غیر مبائعین کو مبائعین میں سے کوئی غیر مسلم قرار دیتا ہے تو اس الہام کے ماتحت وہ مجرم ہے۔ اصل چیز جس پر بحث ہونی چاہیے تھی وہ یہ ہے کہ خدا کس کے ساتھ ہے؟ ورنہ یہ کہنا کہ ہم ہیں تو مسلمان لیکن خدا ہمارے ساتھ نہیں ایک بے معنی بات بن جاتی ہے اور ایسے اسلام کو لے کر کسی نے کرنا کیا ہے۔ اصل بات جسے دیکھنا چاہیے

وہ یہ ہے کہ خدا کس کے ساتھ ہے۔ اور یہ بات محمد حسن چیمہ کے مضمون سے حل ہو جاتی ہے۔ اس نے ''پیغامِ صلح'' میں ہمارے متعلق لکھا کہ چونکہ ان لوگوں میں تنظیم پائی جاتی ہے اس لیے یہ ترقی کر رہے ہیں۔ اب اس الہام میں کوئی وجہ تو خدا نے معیّن نہیں کی کہ میں کس وجہ سے ایک فریق کا ساتھ دوں گا۔ اور جب خدا نے کوئی وجہ نہیں بتائی تو بہرحال ترقی کرنے کی کوئی بھی وجہ ہو وہ ہر حالت میں قابلِ قدر ہوگی۔ اگر چیمہ کہتا ہے کہ مبائعین تنظیم کی وجہ سے ترقی کر رہے ہیں تو دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنے ہیں کہ چونکہ ان لوگوں میں تنظیم پائی جاتی ہے اس لیے خدا ان کے ساتھ ہے۔ اب چاہے تنظیم کی وجہ سے خدا ہمارے ساتھ ہو یا مسجدیں بنوانے کی وجہ سے ساتھ ہو یا کسی اَور وجہ سے ساتھ ہو بہرحال اُس کا ہمارے ساتھ ہونا ہماری صداقت کی دلیل ہے۔ ہمیں اِس سے کیا غرض ہے کہ ہم یہ بحث کرتے پھریں کہ غیر ممالک میں مسجدیں بنانے کی وجہ سے خدا ہمارے ساتھ ہے یا اپنے اندر تنظیم پیدا کرنے کی وجہ سے خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور جب وہ ہمارے ساتھ ہے تو لوگ اس طرف کیوں جائیں گے جس طرف خدا نہیں۔ وہ تو لازماً اُس طرف جائیں گے جدھر خدا ہوگا۔

جیسے ایک پرانے احمدی کا میں نے بارہا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ آپ مجھے قرآن کریم کی وہ دس آیتیں لکھ دیں جن سے حضرت مسیح کا آسمان پر زندہ جانا ثابت ہوتا ہے۔ اُن دنوں حضرت خلیفہ اوّل سے مولوی محمد حسین صاحب بحث کے لیے شرطیں طے کر رہے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے کہ قرآن سے دلائل پیش ہوں گے اور مولوی محمد حسین صاحب کہتے کہ حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔ آخر بحث کو لمبا ہوتے دیکھ کر حضرت خلیفہ اوّل نے اتنا مان لیا کہ بخاری بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب اِس پر بڑے خوش تھے کہ میں آخر انہیں حدیث کی طرف لے آیا۔ جب یہ اُن کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب! مجھے قرآن کی وہ آیتیں لکھ دیجیے جن سے حضرت مسیحؑ کی حیات ثابت ہوتی ہو۔ تو مولوی محمد حسین صاحب کو غصہ آگیا اور کہنے لگے میں اتنی دیر تک نور الدین سے بحث کرتا رہا۔ وہ کہتا تھا قرآن سے اِس مسئلہ پر بحث ہونی چاہیے اور میں کہتا تھا حدیث سے۔ آخر میں نے اُس سے منوا لیا کہ حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے مگر تُو پھر اس بحث کو قرآن کی طرف لے گیا ہے۔ وہ آدمی

نیک تھا۔ اس نے مولوی صاحب کا یہ جواب سنا تو اس پر سکتہ کی سی حالت طاری ہوگئی اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا کہ مولوی صاحب! اچھا! پھر جدھر قرآن ہے اُدھر ہی میں ہوں۔ اور یہ کہہ کر وہاں سے واپس آ گیا اور اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔

اِسی طرح ایک مخلص انسان کہے گا کہ جب خدا مبائعین کیساتھ ہے تو پھر جدھر خدا ہے اُدھر ہی میں ہوں۔ وہ اس فریق کے ساتھ کیوں ملے گا جو مسلمان تو ہو مگر خدا اس کے ساتھ نہ ہو۔ پس اصل چیز جو دیکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ خدا کس کے ساتھ ہے۔ اور جب کوئی شخص اس نقطہ نگاہ سے غور کرے گا تو اسے ہمارے متعلق اقرار کرنا پڑے گا بلکہ ایک ہندو تک کو بھی ماننا پڑے گا کہ خدا اِن لوگوں کے ساتھ ہے اور انہوں نے ہمیشہ ترقی کی ہے۔ 1953ء میں مخالفت کا ایک عظیم الشان طوفان اُٹھا مگر اُس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہی کامیابی عطا فرمائی۔ پھر انکوائری کمیشن میں خود ججوں نے پیغامیوں کے متعلق کہا کہ ان کا مقام احراریوں کے ساتھ ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام کہ

''خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہوگا۔ پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے''۔

مبائعین اور غیر مبائعین کے درمیان ایک فیصلہ کن الہام ہے۔ یہ سوال کہ اختلاف کیوں ہوا اور اس کی کیا وجوہ تھیں؟ یہ ایک لمبا سوال ہے۔ اصل بات جو دیکھنے والی ہے وہ یہ ہے کہ اس اختلاف کے نتیجہ میں خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کے ساتھ ہو گیا اور جب خدا ایک کے ساتھ ہو گیا تو جس کے ساتھ خدا ہے اسے کوئی گھبراہٹ نہیں ہوسکتی۔ اگر خدا غیر مبائعین کے ساتھ ہے تو ان کے لیے کوئی گھبراہٹ کی بات نہیں اور اگر خدا ہمارے ساتھ ہے تو ہمارے لیے کوئی گھبراہٹ کی بات نہیں۔ اب چاہے کسی غیر سے پوچھ لیا جائے کہ خدا غیر مبائعین کے ساتھ نظر آتا ہے یا مبائعین کے ساتھ تو وہ یہی جواب دے گا کہ ہمیں تو خدا مبائعین کے ساتھ ہی نظر آتا ہے اور 1914ء سے لے کر اَب تک وہ جو کام بھی کرتا ہے جماعت مبائعین کی تائید میں کرتا ہے۔ بلکہ اب تو ''پیغام صلح'' نے بھی مان لیا کہ ہماری ترقی تنظیم کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ یہ ترقی خواہ کسی وجہ سے ہو اِس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ہمیں اِس سے کیا غرض ہے کہ تنظیم کی وجہ سے خدا نے ہمارا ساتھ دیا ہے یا کسی اَور وجہ سے۔ ہمیں تو خدا سے غرض ہے۔

جیسے مشہور ہے کہ ایک بڑھیا یوسف کی خریداری کے لیے سوت کی ایک اَٹی لے کر آئی۔ کسی نے اس سے کہا کہ یوسف تو بڑی قیمتی چیز ہے اس کی تو لاکھوں روپے قیمت پڑے گی اور تُو سوت کی ایک اَٹی لے کر اُس کو خریدنے کے لیے آ گئی ہے۔ اس نے کہا خبر نہیں لاکھوں والے نہ آئیں اور اس اَٹی کے بدلے میں مجھے یوسف مل جائے۔ جس طرح اس بُڑھیا کو صرف یوسف کی خریداری کی ضرورت تھی، اس امر کی اُس کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہ تھی کہ وہ لاکھوں سے ملتا ہے یا اَٹّی سے، اِسی طرح ہمیں تو خدا کی ضرورت ہے۔ اگر ہمیں وہ اَٹی سے مل گیا تب بھی وہ خدا ہے اور اگر وہ کروڑوں سے مل گیا تب بھی وہ خدا ہے، اگر وہ مسجدوں سے ملا ہے تب بھی خدا ہے اور اگر وہ تنظیم سے ملا ہے تب بھی خدا ہے۔ پس یہ الہام ہماری صداقت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے اور اس میں خدا تعالیٰ نے ہمیں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ تم اس بحث میں نہ پڑو کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں۔ تم یہ دیکھو کہ خدا کس کے ساتھ ہے۔

ایک مصری اخبار ''الفتح'' نے ایک دفعہ لکھا کہ تیرہ سَو سال میں بڑے بڑے مسلمان بادشاہ گزرے ہیں مگر ان میں سے کسی کو اسلام کی اشاعت کی وہ توفیق نہیں ملی جو اس چھوٹی سی جماعت کو مل رہی ہے۔ پس ہمیں اس سے کیا کہ علماء ہمیں کافر کہتے ہیں۔ اگر وہ ہمیں کافر کہتے ہیں تو بیشک کہتے رہیں ہمیں تو خدا چاہیے کیونکہ اس کی ہمیں ضرورت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک راجہ نے ایک دفعہ بینگن کی بُھجیا کھائی جو اُسے بڑی مزیدار معلوم ہوئی۔ وہ دربار میں آیا اور کہنے لگا کہ بینگن بڑی اچھی چیز ہے۔ آج میں نے اس کی بُھجیا کھائی ہے جو بڑی مزیدار تھی۔ اِس پر ایک درباری کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا حضور! بینگن تو عجیب چیز ہے۔ جس وقت یہ پودے کے ساتھ لٹکا ہوا ہوتا ہے تو بالکل یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی صوفی ایک کونہ میں سر نیچے اور پیر اونچے کر کے خدا کی عبادت میں مشغول ہو اور پھر حضور! اگر طب کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں تو حضور کو معلوم ہو گا کہ اس میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک ایک کر کے بینگن کی خوبیاں بیان کرنی شروع کر دیں۔ اس کے بعد چند دن متواتر جو راجہ نے بینگن استعمال کیے تو اُسے بواسیر ہو گئی۔ اِس پر وہ دربار میں آ کر کہنے لگا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ بینگن بڑی اچھی چیز ہے مگر معلوم ہوتا ہے اس میں بھی نقص ہیں۔ میں نے چند دن بینگن کھائے تو مجھے بواسیر

ہوگئی ہے۔ اِس پر وہی درباری پھر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا حضور! بینگن بڑی خراب چیز ہے۔ طب کی کتابوں میں اس کا یہ نقص بھی لکھا ہے، وہ نقص بھی لکھا ہے۔ طب کی کتابوں میں آخر ہر چیز کے فوائد کا بھی ذکر ہوتا ہے اور نقصانات کا بھی۔ اس نے نقصانات بتانے شروع کر دیئے کہ اس میں یہ بھی خرابی ہوتی ہے اور وہ بھی خرابی ہوتی ہے۔ اور پھر کہنے لگا حضور! اس کی شکل بھی دیکھیے کتنی منحوس ہوتی ہے۔ جس وقت یہ کمبخت پودے کے ساتھ لٹکا ہوا ہوتا ہے تو بالکل یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی چور کے ہاتھ منہ کالے کر کے اسے صلیب پر لٹکایا ہوا ہے۔ درباریوں نے بعد میں اُسے بڑی ملامت کی اور کہا تُو بڑا بے حیا ہے۔ اُس دن تُو بینگن کی اتنی تعریف کر رہا تھا اور آج تُو نے اس کی مذمت شروع کر دی۔ وہ کہنے لگا میں راجہ کا نوکر ہوں بینگن کا نہیں۔

اِسی طرح ہم بھی خدا کے نوکر ہیں مولویوں کے نہیں۔ اگر خدا کسی وجہ سے ہمارا ساتھ دینے لگتا ہے تو چاہے وہ کتنی چھوٹی وجہ ہو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی کہ وہ چھوٹی وجہ ہے۔ اگر ایک چھوٹی وجہ سے ہی خدا ہمارے ساتھ ہوگیا ہے اور اس کی تائید ہمارے شاملِ حال ہوگئی ہے تو ہمیں اس وجہ کے چھوٹا ہونے کی کوئی پروا نہیں ہوگی کیونکہ ہمارا اصل مقصود خدا ہے اور ہم خدا کے نوکر ہیں مولویوں کے نہیں۔ جب خدا ہمارے ساتھ ہوگیا تو ہماری غرض پوری ہوگئی۔ اب ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ دنیا ہمیں اچھا کہتی ہے یا بُرا کہتی ہے۔ اگر خدا ہمارے ساتھ ہے تو دنیا کی مخالفت ہماری نگاہ میں ایک ذرّہ بھر بھی حقیقت نہیں رکھتی"۔ (الفضل 8 جون 1957ء)

1: تذکرہ صفحہ 604۔ ایڈیشن چہارم 2004ء